ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی
استاد، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی، پشاور
ڈاکٹر راحیلہ خورشید
استاد شعبہ اردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور

مجید امجدؔ: منفرد لہجے کا جدید شاعر

Dr. Muhammad Nasir Afridi
Department of Urdu, Sarhad University Peshawar.
Dr. Raheela Khurshid
Assistant Professor Shaheed Benazir Bhoto Women University Peshawar

Majeed Amjad: A Modern Poet with a Unique Accent

Majeed Amjad is the modern and unique voice of the 20th century. You were a Sufi mansh and darwish sifat poet. Your poetry is a unique example of miracle art. Majeed Amjad's poetry is a fine example of creativity and charm. You have seen and endured the bitterness and times of life very closely. His poetry describes the spirit of satiating humanity.

Key Words: *Majeed Amjad, Modern, Unique, Poetry, Creativity.*

مجید امجدؔ کا شمار اُن معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے، جنھوں نے اُردو نظم میں جدید روایت، لب و لہجے اور موضوعاتی تنوع کے فروغ میں اہم پیش رفت کی ہے۔ اُنھوں نے اپنے گردوپیش کو نہ صرف بغور دیکھا تھا بل کہ اُس سے بڑی حد تک متاثر بھی ہوئے تھے۔ اِسی ماحول نے اُن کی شاعری میں گہری سوچ اور احساسِ تنہائی کو جنم دیا ہے۔ اُن کی تعلیم و تربیت میں جھنگ کے ماحول کو بڑا دخل حاصل ہے۔ چناں چہ ننھیالی ماحول میں تصوف کے گہرے اثرات نے آپ کو بھی متاثر کیا۔ انھی رجحانات کے پیشِ نظر مجید امجدؔ بھی دینی ماحول اور متصوفانہ رجحانات میں خود کو ڈھالنے لگے، جس کی واضح چھاپ آپ کی شخصیت اور فن پر دیکھی جاسکتی ہے۔ مجید امجدؔ بذاتِ خود ایک پُر آشوب عہد کی پیداوار ہیں۔ سکول کے زمانے سے لے کر اسلامیہ کالج لاہور تک کی تعلیم کے حصول کے دوران بھی آپ کی شخصیت میں الگ تھلگ رہتے اور ایک الگ ماحول میں رہنے کے واضح آثار دکھائی دیتے تھے۔

تعلیم کی تکمیل اور ملازمت کے آغاز پر آپ صحافت کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات کی انجام دہی میں مصروفِ عمل رہے اور ساتھ ساتھ تخلیقی سفر بھی جاری رکھا۔ آپ کی حیاتِ مستعار میرؔ کی طرح تلخ آمیز ہی رہی

ہے۔ اس کی وجوہ میں والد کی دوسری شادی، والدہ کے ساتھ ننھیال میں بودوباش، اپنی مرضی کے خلاف شادی اور بیگم سے عدم آشنائی، لاولدی اور دیگر نفسیاتی الجھنیں شامل ہیں۔ اُن کی صحت کی خرابی، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد مالی بدحالی اور نامساعد معاشی حالات ایسے محرکات ہیں، جنھوں نے تمام عمر مجید امجدؔ کو ذہنی آسودگی اور معاشی خوش حالی سے قوسوں دور رکھا۔

ایک حساس فن کار کی حیثیت سے مجید امجدؔ نے تمام تر حالات و واقعات کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنے فن کی تخلیق میں بھی لاشعوری طور پر سمویا۔ مجید امجد کی شاعری کے نفسیاتی مشاہدے اور داخلی عناصر کے مطالعے اور ان کی شخصی تخیل نفسی سے ہمیں اُن کے کلام کے درپردہ محرکات اور فکری تسلسل کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری کے موضوعات متنوع اور مختلف النوع ہیں۔ اُنھیں اگر کثیر جہتی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ڈاکٹر فخر الدین نوری، مجید امجدؔ کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مجید امجد کے شعری لوزم اور مفاہیم و مطالب کے جملہ پہلوؤں سے تخلیقی شخصیت کے اظہار میں زبردست تنوع اور رنگا رنگی کا احساس ہوتا ہے۔"(۱)

مجید امجدؔ کی شاعری کا کینوس وسعت آمیز تھا۔ قران مجید کے مطالعے، اسلام سے رغبت، فارسی ادب سے کامل شناسائی، عربی اور انگریزی زبان و ادب کے مطالعے نے انھیں مختلف النوع لسانی اور فکری تناسبات عطا کر رکھے تھے۔ فارسی اور انگریزی شعر و ادب نے اُنھیں فکری تنوع کی راہوں پر ڈال رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجید امجدؔ کے ہاں افکار و خیالات میں رنگارنگی کارفرما تھی۔ اُنھوں نے ہئیت شعری اور اسلوبِ بیان کو منفرد انداز میں ڈھال رکھا تھا۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں آہنگ و تمثال کے انوکھے کرشمے دکھائے ہیں۔ اُن کے ہاں بیان و بدیع کا التزام اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ وہ مختلف بحروں کے استعمال پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ مجید امجدؔ نے فنِ قوافی کی معجز بیانی سے خوب کام لیا ہے۔ اُن کی شاعری فنِ شعر کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔

شاعری کے آغاز زمانہ میں مجید امجدؔ ایک روایتی شاعر کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اُن کی ابتدائی شاعری پر مولانا حالیؔ اور علامہ اقبالؔ ایسے نابغۂ روزگار شعرا کا واضح اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان شعرا کی اثر پذیری سے مجید امجدؔ کے قومی درد اور ملی جذبے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری کا ابتدائی دور رومان پرور فضا سے بھی بھرپور دکھائی دیتا ہے۔ وہ معاصر شعرا میں سب سے الگ تھلگ اور منفرد دور کھڑے نظر آتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں مناظرِ فطرت کی عکاسی اور تمثال کاری اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اس زمرے میں "آہ یہ خوش گوار

نظارے"، "حسن"، "موجِ تبسم" اور "صبحِ نو" ایسی کئی نظمیں بطورِ مثال پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس قبیل کی نظموں میں کمال منظر کشی کے ساتھ رومان انگیز فضا اُن کو انفرادیت عطا کرتی ہے۔ اُن کی رومانویت کے درپردہ اختر شیرانی کی رومان انگیز شاعری بولتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔ انھوں نے بھی فنِ شعر کی تخلیق میں بڑے شعرا سے ضرور استفادہ کیا ہے۔ اثر پذیری کے باوجود وہ اپنا الگ اسلوب رکھتے ہیں، جس سے ان کی الگ تھلگ شناخت کی جا سکتی ہے۔ آج کے جدید دور میں مجید امجدؔ معاصر شعری ادب میں انفرادیت قائم رکھتے محسوس ہوتے ہیں۔ مجید امجدؔ کے اسلوب کی انفرادیت کے بارے میں ڈاکٹر ناصر عباس نیئرؔ رقم طراز ہیں:

> "مجید امجد نے عمومیت سے انفرادیت کا سفر کامل آہستگی سے طے کیا ہے۔ اس حوالے سے اُنھوں نے فیصلہ کُن پیش رفت کی ہے۔"(۲)

مجید امجدؔ کی شاعری ایک نگار خانہ ہے، جس میں رنگا رنگ شعری تمثیلات آویزاں ہیں۔ ان کی شاعری میں جذبے اور احساس کی کار فرمائی ایسے مؤثر انداز میں دھیرے دھیرے محسوس ہوتی ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نرے جذبات کے شاعر نہیں ہیں بل کہ اُنھوں نے جذبات واحساسات کو فنی آمیخت کے ساتھ بھرپور رنگ دیا ہے۔ وہ زندگی کو برتنے میں تلخ تجربات سے گزرے ہیں۔ اُنھوں نے اس تلخی کو فن کی بھٹی میں ڈال کر کندن کیا ہے، پھر اُسے تخیل کی بنا پر ابھرنے دیا ہے۔ اُن کا گہرا اور عمیق مطالعہ مشاہدے کی عمق کا غماز ہے۔ مجموعی طور پر انھوں نے درج بالا عناصر کی بہم آمیزش سے شعر کاری کی ہے۔ وہ اپنی شاعری میں موجود انھی گہرے تاثرات اور مخصوص رنگوں کی بدولت افقِ شاعری پر انفرادیت سے نمودار ہوئے ہیں۔ حالات وواقعات اور تجربات ومشاہدات نے مجید امجدؔ کی شعری کائنات میں غم آمیزی کا سامان کیا ہے۔ اُن کا غم میرؔ اور فانیؔ سے جدا ہے۔ وہ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کے ساتھ ناقدریِ زمانہ کا بھی شکار ہوئے ہیں اور اُن کی حیات وشاعری میں ان تلخ کیفیتوں کے واضح نقوش ملتے ہیں۔ تاہم وہ میرؔ کی طرح ان عناصر کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی فانیؔ کی طرح اُن کے ہاں حزن ویاس ہی کا نوحہ ملتا ہے۔ اُنھوں نے غمِ حیات کے ساتھ سمجھوتہ کیا ہے۔ وہ نری جذباتیت اور اُس سے پیدا شدہ کھوکھلی نعرے بازی اور ہیجانی کیفیات سے شعوری طور پر دامن کشاں رہے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیئرؔ نے مجید امجدؔ کے غمِ حیات کے بارے میں لکھا ہے:

> "مجید امجدؔ کا حقیقی غم نرا غمِ عشق، غمِ زمانہ یا ناقدری زمانہ نہیں ہے۔ ان کا غم محرومی حیات کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔"(۳)

مجید امجدؔ نے حیاتِ انسانی کی تلخیوں کو عملی سطح پر برت کر دیکھا ہے۔ وہ زندگی کے شاعر تھے۔ اُنھوں نے موت کا نوحہ بیان کرنے کو اپنی شاعری کا مقصد نہیں بنایا۔ انھوں نے انسانیت کی سسکتی ہوئی روح کی بات کی ہے، جو انسان کے وجود سے وابستہ صدیوں سے جکڑبندیوں کا شکار ہے۔ وہ موت وحیات کی کش مکش کو بھی موضوع بناتے ہیں، جو آخر کار اُن کے مزاج میں غم انگیز رجحان کار فرما کرتی ہے۔ درج بالا کیفیتوں کے اظہار میں مجید امجدؔ کی شاعری سے چند مثالیں دیکھیے:

برقِ بے تاب کو خبر نہ ہوئی
کہ ہے عمر دم شرر کتنی
شمع خود سوز کا پتا نہ چلا
دور ہے منزلِ سحر کتنی (۴)

زندگانی کا یہ فرسودہ نظام!
آنسوؤں کی صبح اور آہوں کی شام
اس نظامِ کہنہ کو بدلے کوئی (۵)

نہ تاجِ سر کو تو بیچ اور نہ تو سریر کو بیچ
گر اس جہان میں جینا ہے تو ضمیر کو بیچ
ہے تیرے دل میں جو چنگاری اُس کا نام نہ لے
خودی کا رتبۂ خودداری! اس کا نام نہ لے (۶)

یہ مرا قصۂ غم کون سنے؟ کس کو سناؤں ــــــ کس کو
اپنے احساس کا وہ جلتا ہوا زہر پلاؤں ــــــ جس کو
پیتے پیتے مری اک عمر کٹی ہے اک عمر
دیکھتے ہو وہ جو اک جادۂ نورانی سے (۷)

مجید امجدؔ نے زندگی کی ہولناکی اور مقدر کی ستم ظریفی کو نہایت سنجیدگی سے نہ صرف سہا ہے بل کہ اُسی سنجیدہ مزاجی سے فن میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے ایسے ایسے کرب ناک احساسات کو شاعری کا موضوع بنایا ہے، جس

سے قاری بھی اُن کے شعور کا حصہ بنتے ہوئے اُن کے تلخ آمیز رویوں کو اطمینان سے پڑھنے اور سہنے کا عزم کھتا ہے۔ اُن کی شاعری ان تمام تر الم ناکیوں کے باوصف اپنے اندر ایک اطمینان اور انبساط کی کیفیت رکھتی ہے۔ اُن کا کلام اپنے اندر ایسا رس اور جوش رکھتا ہے، جو قاری کو اپنا اسیر کیے بغیر رہ نہیں پاتا۔

مجید امجدؔ آفاقی شعور کے فن کار ہیں۔ اُنھوں نے انسانیت کو درپیش ایسے مسائل کا ادراک کیا ہے، جو علامہ اقبال کی فکر کا خاصہ رہا ہے۔ وہ سائنسی شعور سے درکِ شعر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے سسکتی ہوئی انسانیت کی جگ بیتی کو اپنی آپ بیتی سے آمیخت کرتے ہوئے آفاقیت سے ہم کنار کیا ہے۔ وہ انسانی رویوں کو پرکھنے کا ہنر بخوبی جانتے تھے، اُن کی شاعری انسانی رویوں کا مکمل عکس پیش کرتی ہے۔ انھی عناصر کی بدولت مجید امجد اپنے عہد کے بڑے بڑے شعرا میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اُن کی شاعری صرف شاعرانہ ذوق کی آب یاری نہیں کرتی بل کہ انسانی زندگی اور رویوں کا مکمل منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ اس حوالے سے مجید امجدؔ یقیناً ایک بڑے اور منفرد شاعر ہیں۔

مجید امجدؔ کا حساس اور درد مند دل جذبے کی گہرائی اور سچائی سے فروغ پاتا ہے۔ انھوں نے انسان کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کو موضوعِ سخن کیا ہے۔ انھوں نے انسانیت کے زخموں سے رستے خون کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور اس درد کو اپنے دل سے محسوس کیا ہے۔ وہ فرد اور معاشرے کے درمیان قائم شدہ غیر فطری دیوار کو پاٹنے کی کوشش میں سرگرداں رہے۔ وہ انسانیت کی تباہی و بربادی کا سامان کرنے والے جبر و استبداد، مصیبت زدگی اور طوقِ غلامی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے جذباتیت اور کھوکھلے نعروں سے محض دل کی بھڑاس نہیں نکالی بل کہ انسانیت کو گلو خلاصی کی راہ بھی دکھائی ہے۔ وہ فرد کی ذات میں پائی جانے والی بے عملی اور بے حسی کا نوحہ کرتے ہیں۔ مجید امجدؔ اقبالؔ کی طرح انسان کو جہد و عمل کا درس دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

> "مجید امجدؔ جبر، گنہ، جرم اور مصیبت کی صورتِ حال کو انسانی یا شخصی، ذمہ داری کے تصور سے وابستہ کرتے ہیں۔ فسطائیت ہو کہ آمریت، سماجی دھوکے ہوں کہ توسیع پسندانہ عزائم مجید امجدؔ کے نزدیک یہ سب کچھ فرد یا انسان کی اپنی کوتاہیوں اور بے عملیوں کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔"(۸)

مجید امجدؔ بھی علامہ اقبال کی طرح سماجی برائیوں اور معاشرتی بے راہ رویوں کا اصل ذمے دار فرد کو قرار دیتے ہیں۔ اُن کے خیال میں فرد کو سماج اور معاشرے سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اسے اس کے فروغ اور انسانیت نوازی کے لیے ہمہ وقت فعال رہنا چاہیے۔ چہ جائے کہ وہ اس کی بربادی کا سامان کرے۔ وہ چمن ستان کے بربادِ خزاں ہونے کا اصل ذمے دار فرد کو ٹھہراتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ یقیناً درست مؤقف رکھتے ہیں۔ انھوں نے تو فرد کو تدبیر کے ناخن اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اُن کے نزدیک فرد سماج کی بنیادی اکائی ہے، جو اس کے پروان چڑھنے یا تباہ ہونے کا محرک ثابت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اگر بغور جائزہ لیا جائے تو مجید امجدؔ کو کائنات میں مرکزیت عطا کرتے ہیں۔ وہ انسانی معاشرے کے فروغ و ارتقا کے لیے سمجھوتہ بازی اور بے راہ روی دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں انھی خیالات اور اس سے متعلقہ عوامل کا احاطہ کیا ہے۔ مجید امجدؔ نے فرد کی ذات کے نہاں خانوں میں بڑی سنجیدگی سے جھانکا ہے اور اس کی نفسیات کا ادراک کرتے ہوئے اسے آزادی عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرد کو اپنی ذات میں گم رہنے یا فراریت اختیار کرنے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ وہ دنیا اور سماج کے وسیع منظر نامے میں تحلیلِ نفسی کا سامان کرتے ہیں۔

مجید امجدؔ نے طبقاتی کش مکش کی ہمیشہ کھل کر مخالفت کی ہے۔ اُن کی شاعری اس حوالے سے بہت سے ثبوت پیش کرتے ہوئے غیر طبقاتی نظام کے قیام کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ اُن کے کلام میں حقیقت اور واقعیت کے ایسے چوکھے رنگ پائے جاتے ہیں۔ اُنھوں ے اپنے کلام میں تخلیقی تصورات کی تشکیل کی ہے۔ وہ قاری کو زندگی میں کچھ مثبت کام کر گزرنے کا سبق دیتے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کبھی کبھار سماج کے دیے ہوئے زخموں سے بلبلا اٹھتے ہیں، لیکن انھوں نے سماج کی بہتری کے لیے باشعور افراد کی پیداکاری پر ہر وقت زور دیا ہے۔ اس حوالے سے مجید امجدؔ کے کلیات سے نمونۂ کلام دیکھیے:

تری جلن ہے مرے سوزِ دل کے کتنی قریب
خدا رکھے تجھے روشن! چراغ کوئے حبیب
تو جانتا ہے مری زندگی کا افسانہ
تو جانتا ہے میں کس شمع کا ہوں پروانہ (۹)

زندگانی کے قافلوں کے لیے
تم کو آوازِ راہبر دی ہے

آب و گل کے اک کھلونے کو
شانِ دارائی بشر دی ہے
پھاند جاؤ حدیں زمانوں کی
تھام لو باگ آسمانوں کی (۱۰)

تم کتنے خوش نصیب ہو آزاد جنگلو!
اب تک تمہیں چھوا نہیں انسان کے ہات نے
اب تک تمہاری صبح کو دھندلا نہیں کیا
تہذیب کے نظام کی تاریک رات نے (۱۱)

آخر کوئی کنارا اس سیلِ بےکراں کا؟
آخر مداوا اس دردِ زندگی کا؟
اب میری زندگی میں آنسو ہیں اور نہ آہیں
لیکن یہ ایک میٹھا میٹھا سا روگ جی کا!
او مسکراتے تارو! او کھکھلاتے پھولو!
کوئی علاج میری آشفتہ خاطری کا؟ (۱۲)

مجید امجدؔ نے شہری رونقوں سے قطع نظر دور افتادہ اور آزاد فضاؤں میں زندگی گزاری ہے۔ مجید امجدؔ کی شہرت اور اعترافِ فن اُن کی زندگی کے مقابلے میں بعد میں زیادہ ہوا۔ وقت نے ثابت کیا کہ مجید امجدؔ زمانے کی چہل پہل، جھوٹی نمائش اور ستائش باہمی جیسی غیر پسندیدہ سوچوں سے دور رہ کر انسانی زندگی کے مسائل پر غور کرتے رہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عظیم ادب نہ صرف مسائل کی پیش کش کا فریضہ انجام دیتا ہے بل کہ اُن کے ممکنہ حل بھی پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو مجید امجدؔ نہ صرف عظیم فن کار ہیں بل کہ انھوں نے یقیناً عظیم فن بھی تخلیق کیا ہے۔ اُن کی یہ عظیم شاعری تنہائیوں کی پیداوار ہے۔ وہ محفل کے آدمی ہونے کے مقابلے میں تنہا پسندی کو زیادہ ترجیح دیتے تھے اور فن کی تخلیق اور آب یاری میں تنہا پسند جتنا سامان اور ذہنی آسودگی اور

طمانیت عطا کرتی ہے وہ پُر شور زندگی کی عطا نہیں ہوتی۔ فیض احمد فیض نے مجید امجد کی شاعری کے بارے میں یہ بے باک تبصرہ کیا تھا:

"شاعری تو بس مجید امجدؔ کر گیا ہے۔ ہم تو محض جھک مارتے رہے ہیں۔"(۱۳)

مجید امجدؔ کی شاعری سے جدیدیت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ وہ انسانیت کے پیامی ہیں۔ وہ مجلسی اور گروہی زندگی سے گریز پائی اختیار کرنے والے اور خالص انسان کے بارے میں سوچنے والے شاعر ہیں۔ انھوں نے کسی خاص مکتبۂ فکر کے زیرِ اثر تخلیقِ فن کا فریضہ انجام نہیں دیا۔ انھوں نے غرض، لالچ اور بغض و عناد سے پاک شاعری کی ہے، جس میں صرف اور صرف انسانیت کی عظمت کے آثار جھلکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غم انگیزی اور دردمندی مجید امجدؔ کی شاعری کے بنیادی اوصاف رہے ہیں تاہم وہ اپنی شاعری میں ایک درویشانہ لے رکھتے ہیں، جس کو آج کے انسان نے بڑے دور سے محسوس کرتے ہوئے اس سے رجوع کیا ہے۔ انھوں نے فن کی تخلیق اور بنت میں کسی تحریک یا دبستان سے خود کو مخصوص نہیں رکھا بل کہ ایک حساس فن کار کی حیثیت سے زندگی اور اس کے مسائل کو پیکر شعری میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے زندگی کے طور برت کر سیکھے تھے، لہٰذا وہ انسان کی بہتری کے امکانات زندگی ہی سے کشید کرتے ہیں۔ اُن کے لیے زندگی کھلی کتاب کی طرح تھی، جس کے ایک ایک لفظ کو انھوں نے پڑھا اور اس کی قیمت بھی ادا کی۔ وہ زندگی کی تلخیوں، ناکامیوں اور محرومیوں کے غموں سے حیات کشید کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ مجید امجدؔ کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"مجید امجدؔ کی شاعری کا پیکر رنگوں، روشنیوں، پھولوں، نغموں اور پھلوں کے رس اور لطیف عناصر سے مرتب ہوا ہے۔ یہ غبار رنگ میں رس گھولتی ہوئی کرن ہے، جو گرفت سنگ میں بل کھاتی ہے، تو ایک سحر پیدا کر دیتی ہے۔"(۱۴)

مجید امجد کا کلام انسانی دل کے تاروں کو چھیڑنے والا ایک انوکھا آئینہ ہے، جس میں انسانی زندگی کے تمام تر پہلو اپنی آب و تاب دکھاتے ہیں۔ اُن کی شاعری ایک ایسا منشور ہے، جس سے ہر طرف انوکھے رنگ بکھرتے ہیں۔ اُن کا شعر فرد کے جذبات کا نہ صرف عکاس ہے بل کہ اُس کے لہو کو گرماتا ہے۔ وہ غموں، دکھوں اور پریشانیوں میں رہتے ہوئے دل کے تار چھیڑتے ہیں۔ انھوں نے ایسی نغمگی پیدا کی ہے، جو انسان کے داخل سے گہری وابستگی رکھتی ہے۔ وہ انسانیت کی دکھتی رگوں کو کریدنے کے فن سے یقیناً نابلد تھے، اس لیے انھوں نے انسانیت کے دکھوں پر مرہم رکھا ہے۔

مجید امجدؔ کو بناوٹ نہیں آتی تھی۔ وہ سیدھے سادے انداز میں کھری حقیقتوں کو شاعری میں سموتے ہیں۔ انھوں نے ایک ایسی سریلی بانسری سے دل نشین نغمے پیدا کیے ہیں، جس سے پھوٹنے والا نغمہ انسان کی روح میں سرایت کر جاتا ہے۔ انھوں نے فنی لوازم سے انسانی جذبات میں ارتعاش پیدا کیا ہے۔ڈاکٹر انور سدید نے مجید امجدؔ کے بارے میں درست لکھا ہے:

"۔۔۔مجید امجدؔ ہمیں ایسا شاعر نظر آتا ہے جسے زمانہ اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا بل کہ جسے دریافت کر کے زمانہ خود اپنا مزاج مرتب کرتا ہے۔"(۱۵)

مجید امجدؔ سے انسانی زندگی کا رشتہ کسی طرح منقطع نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے سسکتی ہوئی انسانیت کو اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ وہ انسانیت کی بے وقعتی، کم مائیگی اور بے بضاعتی کے المیوں کو اپنی شاعری میں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے چند سکوں کے عوض فرض کی ادائی کے نام پر سسکتی ہوئی انسانیت کی کرب ناکی کو شعری پیکر عطا کیے ہیں۔ وہ ان تازہ گلوں کا رس چوسنے والے تونگر بھنوروں کی داستانیں بیان کرتے ہوئے انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ کلام مجید امجدؔ سے شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

گلستان میں کہیں بھنورے نے چوسا
گلوں کا رس، شرابوں سا نشیلا
کہیں پر گھونٹ ایک کڑوا کسیلا
کسی سڑتے ہوئے جوہر کے اندر
پڑا اک رینگتے کیڑے کو پینا
مگر مقصد وہی دو سانس جینا
وہ نکلا پھوٹ کر نورِ سحر سے
نظام زیست کا دریائے خونتاب
پسینوں آنسوؤں کا ایک سیلاب
کہ جس کی رو میں بہتا جارہا ہے
گداگر کا کدو بھی، جام جم بھی
کلہاڑی بھی، درانتی بھی، قلم بھی (۱۶)

مجید امجد نے انسان کی نفسیات اور اس کی داخلی کیفیت کو اپنی ایک خوب صورت نظم "بن کی چڑیا" میں نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتے ہوئے انسانیت کی بے وقعتی کا نوحہ کیا ہے۔ مجید امجدؔ کا خوب صورت اظہار دیکھیے:

صبح سویرے بن کی چڑیا ——— من کی بات بتائے
جنگل میں سرکنڈوں کی کونپل پر بیٹھی گائے
ننھی چونچ پہ چوں چرچوں چرچوں کی چونچل بانی
کرن کرن پر ناچ رہی ہے اس کے من کی کہانی
کیا گاتی ہے؟ کیا کہتی ہے؟ کون اس بھید کو کھولے؟
جانے دور کے کس ان دیکھے دیس کی بولی بولے؟
کون سنے ہاں کون سنے؟ راگ اس کے راگ البیلے
سب کے سب بہرے ہیں، میداں، وادی، دریا، ٹیلے
ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے!
دور سرابوں کی جھلمل روحوں پر آگ انڈیلے!
نوک نوکِ خار کھلنڈرے ہرنوں کو کلپائے!
گانے والی چڑیا اپنا راگ الاپے جائے (۱۷)

مجید امجدؔ نے بڑے سلیقے اور فنی چابک دستی سے انسانیت کے دردمندانہ جذبات کو اپنی شاعری میں شعوری طور پر سمویا ہے۔ وہ معاشرے کی ناہمواریوں کو انسان کے نہاں خانوں سے بڑی فن کاری سے اُبھار کر سامنے لانے میں کامیابی سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ اُن کی شاعری میں کہیں بھی مصنوعی پن آڑے نہیں آتا، جس سے اُن کی شعری تمثیلیں متاثر ہوں۔ وہ بات کہنے کے نرالے اسلوب سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس لیے سیدھے سادے انداز میں اُسی لے میں کہنے کی بات کہہ دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ صفدر سلیم سیال کے مطابق:

"ہمارے نزدیک مجید امجدؔ کی شاعری کا اپنے ہم عصروں میں امتیاز یہ ہے کہ اپنے تخلیقی عمل میں انسان کے فطری تقاضوں کی برابر پاس داری کرتے چلے آئے۔"(۱۸)

عصرِ حاضر کی ادبی روایت اور مجلسی زندگی سے میلوں دور اپنی ذات میں گم ہونے والا شاعر حقیقی معنوں میں اپنے کلام کے توسط سے دریافت ہوا ہے۔ وہ ایک ایسے بن کا باسی ہے، جو فطرت سے ہم کلام ہوتے ہوئے

انسانیت کی کھری ترجمانی کرتا ہے۔ یہ بھی درست بات ہے کہ اُن کی حیات میں اُنھیں وہ پذیرائی نہ مل سکی، جو اُن کی موت کے بعد اُن کے ہاتھ آئی ہے۔ ان کی وفات کے بعد مجید امجدؔ کی فکر کی مختلف جہتوں کو آئے دن نئے امکانات اور جہانِ معنی کے ساتھ دریافت کیا جارہا ہے۔ غرض اُن کی شخصیت اور فن پر تسلسل سے تنقیدی مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا، جو شاید آنے والے وقتوں میں مجید امجدؔ کو نئے نئے انداز میں منظرِ عام پر لاتا رہے گا۔ یہ امر بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ مجید امجدؔ کی شاعری کے دروں خانوں سے حیاتِ نو کی لذتیں کشید ہوتی رہیں گی۔ مجید امجدؔ بھی اقبالؔ کی طرح ایک برفانی تودہ ہے، جس کا ایک بہت بڑا حصہ پانی کی تہہ میں ہے، جس کی بازیافت اور دریافت ضروری ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی فکر کی تازہ کاری کا اہتمام ہوتا رہے گا اور اُن کی شاعری کو جدید سائنسی اصولوں اور ادبی و انتقادی پیمانوں پر پرکھا جائے گا۔

مجید امجدؔ کی شاعری روایت سے جدت کی طرف ایک سراغ فراہم کرتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجید امجدؔ شناسی کی روایت بڑھ رہی ہے۔ ان کی قبولیت کے بڑھتے ہوئے گراف کے پیشِ نظر وہ ملکی سطح کے نصابوں میں کافی عرصہ پہلے جگہ پا چکے ہیں۔ اُن کی شاعری اور حیات پر مختلف کُتب کی اشاعت اور تنقیدی مضامین کی تحریر کا لامتناہی سلسلہ چل نکلا ہے۔ مجید امجدؔ کی مقبولیت میں اضافے کی مختلف وجوہ میں سے ایک وجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

> "مجید امجدؔ کے ہاں موضوعات و اسالیب کی بے شمار پیچیدگیوں کے باوجود ایسی نظموں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد موجود ہے، جس سے اوسط درجے کا قاری بھی لطف اندوز ہوسکتا ہے۔"(۱۹)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے موضوعات اور ذوق کے مطابق ایسی بہت سی نظموں کا ذکر کیا ہے، جو عوامی سطح پر قبولِ عام حاصل کرچکی ہیں اور اُن کے بہت سے اشعار اور بند زبان زدِ عام ہوچکے ہیں۔ مجید امجدؔ نے ان نظموں میں عام قاری کے لیے دل چسپی کا سامان فراہم کرتے ہوئے دہرا کام کیا ہے۔ ایک یہ کہ فکری اور معنوی اعتبار سے ان میں گہرائی پوشیدہ ہے، جو قاری کو لطف اندوزی کے بعد سوچنے کا مزاج عطا کرتی ہیں، دوسرے یہ کہ قاری مجید امجدؔ کے کلام کی تفہیم و تعبیر کے لیے اُن کے دیگر کلام سے بھی رجوع چاہتا ہے۔ لہٰذا مجید امجدؔ نے ایک کھرے اور سچے فن کار کی طرح اپنے کلام کی داد خواہی کا بھرپور سامان کررکھا ہے۔ اس حوالے سے مجید امجدؔ نے نظم اور غزل میں متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، جو اُن کی شہرت اور نام وری کا باعث بنے ہیں۔

مجید امجدؔ ادبیات کی دنیا کے مسافر ہونے کے ساتھ علمِ فلسفہ سے بھی گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں فلسفیانہ افکار اور موشگافیوں کو انسانی نفسیات سے باہم آمیخت کرتے ہوئے نفسیات کے پردے چاک کیے ہیں۔ وہ علمِ نفسیات سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ ایک بڑے فن کار کی حیثیت سے اُنھوں نے انسانی مزاجوں کا بھی بھرپور مشاہدہ کیا ہے۔ اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ بین العلومی مطالعے سے اپنے افکار کا تانا بانا بنتے ہیں۔ انھوں نے سماج اور معاشرے کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سماجی علوم کا بھی اچھا خاصا ذوق رکھتے تھے۔ اُن کی شاعری میں ایسے ایسے موضوعات ملتے ہیں، جن کی نزاکت کا قائم رکھنا اور منفرد انداز میں اپنا ایک الگ تھلگ مطمعِ نظر رکھنا مجید امجدؔ ایسے شاعر ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے مجید امجدؔ کی شاعری ایک ایسی آرٹ گیلری ہے، جس میں رنگا رنگ تصویریں ہیں۔ اُن تصویروں میں اشتراک بھی ہے اور بدلتا ہوا رنگ اور انداز بھی۔ ایسے نگار خانے میں مجید امجد معاصر شعرا میں بالکل الگ تھلگ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ حیاتِ انسانی کی گوناں گونی اور رنگا رنگی کی پیش کش کے فن کار واقع ہوئے ہیں۔ کوئی بھی موضوع ہو اس کی بنت میں مجید امجد گہرے مطالعے اور وسیع مشاہدے کے ساتھ قاری کے سامنے ایک نئی آواز بلند کرتے ہیں، جس میں فکری تسلسل بھی ہے اور جدت بھی۔

وہ انسانی زندگی، کائنات اور فطرت کے رنگوں کو اپنی منفرد عینک سے دیکھتے ہوئے دوسروں کو بھی شامل نظارہ کرتے ہیں۔ انھوں نے شہروں، بیابانوں، جنگلوں اور قصبوں میں زندگی کے نت نئے اطوار تلاش کیے ہیں۔ انھوں نے مانی کی طرح اپنی بھی ایک ارژنگ تیار کر رکھی ہے، جسکا سراغ ان کی حیات کے بعد لگایا گیا ہے۔ وہ معاصر شعرا میں عصری شعور کے بل پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مجید امجدؔ کو اگر رازدانِ غمِ حیاتِ انسانی کا ترجمان کہا جائے تو یقیناً درست ہو گا۔ شعری پیش کش میں علامہ اقبالؔ کے بعد اگر کسی شاعر نے ہئیتی تجربات کیے اور ان میں کماحقہ کامیاب ہوئے، تو مجید امجدؔ ہیں۔ وہ زمانی تدریجی ارتقا کے باب میں بھی معاصر ادب میں بے میل ہیں۔ انھوں نے نیم شگفتہ طنزیہ اور استعجابیہ لہجے میں بھی کمال شعری پیکر تراشے ہیں۔ ان کی شاعری ان تمام تر اوصاف اور توانائیوں کے باوصف قاری کو اپنے سحر میں مقید کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ غرض ایسے نہ جانے کیا کیا اوصاف ہیں، جن کی وجہ سے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے مجید امجدؔ کو شاعرِ حیات و کائنات کے منصب پر فائز کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد فخر الدین نوری، تحقیقی مجلہ "الماس"، شمارہ ۱۴۔۱۵، شاہ عبد اللطیف یونی ورسٹی، خیر پور، سندھ، ۲۰۱۳ء، ص ۹۔۱۰

۲۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ، مجید امجدؔ، حیات، شعریات اور جمالیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۸۵

۳۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ، مجید امجد شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء ص ۴۷

۴۔ خواجہ محمد زکریا، مرتب: کلیاتِ مجید امجدؔ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۶۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۶۔ ایضاً ص ۲۳۴

۷۔ ایضاً، ص ۲۸۶

۸۔ ڈاکٹر سعادت سعید، مجید امجد کی نظمیں، مشمولہ: ماہ نامہ نمود، لاہور، مجید امجدؔ نمبر، جلد دوم، شمارہ ۶۔۷، جون، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۲۴

۹۔ کلیات مجید امجدؔ، ص ۵۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۸

۱۳۔ ڈاکٹر انور سدید، جدید نظم کے اربابِ اربعہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۳۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۵

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ مجید امجدؔ، کلیات مجید امجدؔ، مرتب: خواجہ محمد زکریا، ص ۷۶

۱۷۔　مجید امجدؔ، کلیات مجید امجد، ص ۹۳

۱۸۔　صفدر سلیم سیال، مجید امجد۔۔۔ شخص، شخصیت، شاعری، مشمولہ: بازیافت، تحقیقی و تنقیدی مجلہ ۲۴، جنوری ـــــــ جون ۲۰۱۴ء، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ص ۱۱

۱۹۔　ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، مجید امجد ـــــــ شاعرِ حیات و کائنات، مشمولہ: بازیافت۔ ۲۴، ص ۴۴